روضۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر

سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ

جدے سے مدینہ طیبہ تک کا راستہ وہ ہے، جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بکثرت غزوات اور سرایا ہوئے۔ آدمی کا جی چاہتا ہے کہ غزوات کے مقامات دیکھے، اور ضرور اس راستے میں وہ سب مقامات ہوں گے، لیکن ہم کسی جگہ بھی ان کی کوئی علامت نہ پاسکے۔ اسی افسوس ناک صورتِ حال کا مشاہدہ مدینہ طیبہ میں بھی ہوا۔ کاش، سعودی حکومت اس معاملے میں اعتدال کی روش اختیار کرے، نہ شرک ہونے دے اور نہ تاریخی آثار کو نذرِ تغافل ہونے دے۔

تاریخِ اسلام کے اہم ترین مقامات جن کو ہم سیرتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاے راشدینؓ کے عہدِ تاریخ میں پڑھتے ہیں، اور جن کے دیکھنے کی ہمیں مدت سے تمنا تھی، ان میں سے کسی بھی جگہ کوئی کتبہ لگا ہوا نہ پایا، جس سے معلوم ہوتا کہ یہ فلاں جگہ ہے، حتیٰ کہ حدیبیہ جیسا مقام بھی اس علامت سے خالی ہے، اور بدر جیسے مقام پر بھی یہ لکھا ہوا ہے کہ یہ بدر ہے۔

۲۷ جولائی [۱۹۵۶ء] کو عصر کے بعد ہم لوگ مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوئے، اور اگلے روز تقریباً مغرب کے وقت وہاں پہنچے۔ راستے میں بدر سے گزر ہوا، لیکن حج کے زمانے میں انسان کچھ اس طرح قواعد و ضوابط سے بندھا ہوتا ہے کہ اپنی مرضی سے کہیں جانا، اور کہیں ٹھیرنا اس کے بس میں نہیں ہوتا۔ اس لیے دلی تمنا کے باوجود وہاں ٹھیرنا ممکن نہیں ہوا۔

حج سے فارغ ہوتے ہی مدینے جانے کے لیے دل میں ایک بے چینی پیدا ہوچکی تھی۔ روانہ ہونے سے مدینہ پہنچنے تک جذبات کا عجیب حال رہا، اور خصوصاً جس مقام سے گنبدِ خضرا نظر آنا شروع ہوجاتا ہے، وہاں تو جذبات کا وفور اختیار سے باہر ہوجاتا ہے۔

مجھے امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی جن باتوں سے کبھی اتفاق نہ ہوسکا، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ مدینہ طیبہ کا سفر مسجدِ نبویؐ میں نماز پڑھنے کے لیے تو جائز بلکہ مستحسن قرار دیتے ہیں،

مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مزارِ مبارک کی زیارت کا اگر کوئی قصد کرے تو اس کو ناجائز ٹھیراتے ہیں۔ میرے نزدیک یہ چیز کسی مسلمان کے بس میں نہیں ہے کہ وہ حجاز جانے کے بعد مدینے کا قصد نہ کرے اور مدینے کا قصد کرتے وقت مزارِ پاک کی زیارت کی تمنا اور خواہش سے اپنے دل کو خالی رکھے۔

صرف مسجد نبویؐ کو مقصودِ سفر بنانا انتہائی ذہنی تحفظ کے باوجود بھی ممکن نہیں ہے، بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ اگر وہاں صرف یہ مسجد ہوتی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مزارِ مبارک نہ ہوتا، تو کم ہی کوئی شخص وہاں جاتا۔ آخر فضیلتیں تو مسجد اقصیٰ کی بھی بہت ہیں، مگر وہاں کتنے لوگ جاتے ہیں؟ اصل جاذبیت ہی مدینے میں یہ ہے کہ وہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شہر ہے۔ وہاں آں حضوؐر کے آثار موجود ہیں اور خود آں حضوؐر کا مزارِ مبارک بھی ہے۔

جس حدیث سے امام ابن تیمیہؒ نے استدلال کیا ہے، اس کا مطلب بھی وہ نہیں ہے جو انھوں نے سمجھا۔ بلاشبہہ آں حضوؐر نے فرمایا ہے کہ تین مسجدوں کے سوا کسی کے لیے سفر جائز نہیں ہے۔ لامحالہ اس کے دو ہی مطلب ہوسکتے ہیں۔ یا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ: 'دُنیا میں کوئی سفر جائز نہیں سوائے ان تین مسجدوں کے' اور یا پھر یہ مطلب ہوگا کہ: 'تین مسجدوں کے سوا کسی اور مسجد کی یہ خصوصیت نہیں ہے کہ اس میں نماز پڑھنے کے لیے آدمی سفر کرے'۔

اگر پہلے معنی لیے جائیں تو مدینہ کیا معنی، دُنیا میں کسی جگہ بھی سفر کر کے جانا جائز نہیں رہتا، خواہ وہ کسی غرض کے لیے ہو، اور ظاہر ہے کہ اس معنی کا کوئی قائل نہیں، خود ابن تیمیہؒ بھی اس کے قائل نہیں تھے۔

اور اگر دوسرے معنی کو اختیار کیا جائے اور وہی صحیح ہے تو حدیث کا تعلق صرف مساجد سے ہے، غیر مساجد سے نہیں۔ اور منشا صرف یہ ہے کہ مسجد نبویؐ، مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ تو ایسی مسجدیں ہیں کہ ان میں نماز پڑھنے کا ثواب حاصل کرنے کی نیت سے آدمی ان کی طرف سفر کرے، لیکن دُنیا کی کوئی اور مسجد یہ حیثیت نہیں رکھتی کہ محض اس میں نماز پڑھنے کی خاطر آدمی سفر کر کے وہاں جائے۔ لیکن اس کو خواہ مخواہ زیارتِ قبرِ رسولؐ پر لے جا کر چسپاں کر دینا کسی دلیل سے بھی صحیح نہیں۔

مدینہ پہنچ کر مسجد نبویؐ میں حاضری دی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخینؓ کے مزارات کی زیارت کی۔ یہاں کی کیفیات نمایاں طور پر مسجد حرام کی کیفیات سے مختلف ہوتی ہیں۔ مسجد حرام

میں محبت پر عظمت و ہیبت کے احساس کا شدید غلبہ رہتا ہے۔ اس کے ساتھ آدمی پر کچھ وہ کیفیات سی طاری ہوتی ہیں، جو کسی بھیک مانگنے والے فقیر کی حالت سے ملتی جلتی ہیں۔ لیکن حرمِ نبویؐ میں پہنچ کر تمام دوسرے احساسات پر محبت کا احساس غالب آجاتا ہے، اور یہ وہ محبت ہے جس کو آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی جزوِ ایمان فرمایا ہے۔

مسجد نبویؐ اب جدید توسیع کے بعد بہت شان دار اور نہایت خوب صورت بن گئی ہے۔ اس مسجد کی تعمیر میں شروع ہی سے اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ تمام توسیعوں کے نشان الگ رہیں۔ اصل مسجد جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنائی تھی اس کے نشانات الگ ہیں، اور صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ کتنی تھی۔

☐ مسعود عالم ندویؒ

● چہارشنبہ، ۴ محرم ۱۳۶۹ھ، ۲۶/اکتوبر ۱۹۴۹ء: صبح کو مدینہ منورہ کا سفر شروع ہوا۔ مغرب کے بعد موٹر چلتی رہی۔ یہ راستہ کویت اور ریاض کے درمیانی راستے سے اچھا ہے۔ بڑی بات یہ ہے کہ اس راہ میں پانی جابجا ملتا ہے۔ عاجز صحرا کے سفر کا خاصا عادی ہوچکا ہے۔ کھانسی کی تکلیف نہ ہوتی تو یہ سفر ایک گونہ دل چسپ اور نشاط انگیز ہوتا۔ قلب و روح کی حد تک تو اب بھی نشاط انگیز ہے۔ مدینے کی قربت خود بخود مُردہ جسم میں جان ڈال رہی ہے۔ سانس کی تکلیف کے باوجود گنگنانے کو جی چاہتا ہے۔ رات مفرق کے مقام پر بسر ہوئی۔

● جمعرات، ۵ محرم ۱۳۶۹ھ، ۲۷/اکتوبر ۱۹۴۹ء: صبح ہوئی، قافلہ روانہ ہوا اور مدینہ منورہ کی قربت طبیعت کو اُکسانے لگی۔ ابھی تین چار گھنٹے کی مسافت باقی ہے، لیکن دل ابھی سے لرزنے لگا ہے۔ مدتیں گزریں، زمانہ بیت گیا، مدینے کی حاضری کا شوق دل میں چٹکیاں لیتا رہا۔ بارہا فرطِ شوق میں آسی غازی پوری کا یہ پُرکیف مطلع پڑھتا رہا ہوں:

صبا تو جا کے یہ کہنا مرے سلام کے بعد　　کہ تیرے نام کی رَٹ ہے خدا کے نام کے بعد

وہ کیا ساعت ہوگی جب یہ گنہگار، رُو بہ رُو حضرت عالیؐ میں سلام عرض کرے گا۔ جب کبھی یہ خیال آتا، آنکھیں نم ہوجاتیں، درود پڑھتا اور اُردو، عربی کے مناسب حال شعر زبان پر جاری ہوجاتے۔

کچھ دیر کے لیے مسیجید کے اسٹیشن پر موٹر رکی، پھر قافلہ آگے روانہ ہوا۔ اب یہ گنہگار

ہمہ تن شوق ہے۔ 'وہابیت' کی خشکی کے باوجود دل پسیج رہا ہے۔ جانے ان راستوں پر حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی گزر ہوا ہو۔ موٹر نہ ہوتی تو گردِ راہ سے پوچھتا، شاید نقش پا کے کھوئے ہوئے اثرات کا سراغ لگتا۔ شاعر کی زبان میں محبوب کے گزرنے سے تمام وادی نعمان معطر ہوگئی تھی تو کیا سرورِ عالم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی گزرگاہ میں ہوائیں مشک آفریں اور عنبر بیز پسینے کی خوش بُو سے خالی ہوں گی؟ مدینہ پاک کی سرزمین قریب ہوتی جارہی ہے اور خاکسار کھانسی کے حملوں سے چور کھویا ہوا، گنگناتا اور درود پڑھتا چلا جارہا ہے۔

اتنے میں شور ہوا، 'ذوالحلیفہ آ گیا'۔ سن کر دل بلّیوں اُچھلنے لگا۔ یہ اہلِ مدینہ کا میقات ہے۔ یہاں سے مدینہ چار پانچ میل سے زیادہ نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے جاںنثار ساتھیوں نے یہیں سے حج کا احرام باندھا ہوگا۔ جی چاہا غسل کرکے کپڑے بدل لیے جائیں اور یہاں سے پیدل چلیں۔ عرصے سے تمنا تھی کہ مدینہ پا پیادہ داخل ہوں۔ امام مالکؒ مدینہ منورہ میں سواری استعمال نہیں کرتے تھے۔ کہتے: ''جہاں رسولِ کریمؐ کی قبر ہے، اس زمین کو کسی جانور کے ٹاپوں سے روندنا حرام سمجھتا ہوں''۔ عربی کا ایک دل آویز شعر بڑے ذوق وشوق سے پڑھا کرتا تھا:

وَإِذَا الْمَطِيُّ بِنَا بَلَغْنَ مُحَمَّدًا فَظُهُورُهُنَّ عَلَى الرِّجَالِ حَرَامُ

[جب سواریاں ہمیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب لے کر پہنچیں گی تو اس وقت ان کی پیٹھیں مسافروں پر حرام ہوں گی، یعنی وہ اب پیدل چلنے لگتے ہیں، اور سواریاں چھوڑ دیتے ہیں۔]

مگر جب اس تمنا کے پورا ہونے کا وقت آیا تو مرض نے بے بس کردیا۔ وائے ناکامی! عاصم [الحداد] صاحب سے رائے طلب کی کہ صرف کپڑے ہی بدل لیے جائیں؟ گرد وغبار کی وجہ سے ان کی رائے نہ ہوئی۔ آخر صبر کرکے بیٹھ رہا۔ لیکن دل کے اندر سے ایک آواز آرہی تھی:

ادب! ادب! یہ کوچۂ حبیب کردگار ہے نگاہیں فرشِ راہ ہوں، حمیدؔ سر کے بل چلو

مگر سنے کون؟ مسعود و بے نوا تو [دمے اور] کھانسی سے چُور، قہوہ خانے میں بیٹھا اپنے ساتھیوں کو اُمید بھری نظروں سے دیکھ رہا ہے۔ ایک قہوہ خانے میں چائے پی اور پہلی بار مدینہ کے انگور کھائے۔ انگور اچھے اور لذیذ تھے، شوقِ محبت نے انھیں اور لذیذ بنادیا۔

ذوالحلیفہ سے قافلہ آگے بڑھا۔ ڈرائیور نے کچھ دیر کے بعد پکارا: 'وہ دیکھو!' نگاہیں اُٹھ گئیں اور دیدۂ نم نے دھندلی عمارتوں کو سلام کیا۔ جوں جوں منزل قریب ہوتی گئی، تحیر اور ذہول کی حالت طاری ہونا شروع ہوئی۔ درود و سلام کے علاوہ ابن جبیر اندلس کے مشہور قصیدے کے اشعار وردِ زبان تھے۔ آخر مدینے کی چار دیواری میں داخل ہوئے۔

پہلا مرحلہ مسجد نبویؐ میں حاضری کا تھا۔ [عبدالعزیز] شرقی صاحب نے گرم پانی کا انتظام کرایا۔ ہم لوگوں نے غسل کیا، کپڑے بدلے، خوشبو لگائی اور شرقی صاحب کی رہنمائی میں حرم پہنچے۔ دومنٹ کی بھی راہ نہیں ہوگی۔ دروازے پر پہنچے تو مکہ مکرمہ کی خشونت اور مسجدِ حرام کی سادگی کے برعکس ساری فضا لطیف اور مسجد عروس المساجد معلوم ہوئی۔ جدھر نظر اُٹھے خطاطی اور فن کاری کے بہترین نمونے نظر آئیں۔ لیکن اس وقت خطاطی اور فن کاری پر نگاہ ڈالنے کی کسے فرصت؟ ایک مرعوبیت اور تاثیر کے عالم میں روضہ میں تحیۃ المسجد ادا کی۔ ہجوم اور شور میں دلِ پُرشوق کیا کہے۔ نماز کے بعد شباکِ نبوی (جسے عام طور پر مواجہہ شریفہ کہتے ہیں) کے پاس مؤدبانہ قدم بڑھاتے ہوئے آئے۔ سلف کے معمول کے مطابق اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللهِ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهٗ اور درود پڑھ کر آگے بڑھا اور شیخینؓ کی قبروں کے سامنے اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَبَابَكرِ يَاخَلِيْفَةَ رَسُوْلِ اللهِ اور اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَيُّهَا الْفَارُوْقُ يَاعُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ کہتا ہوا آگے بڑھ کر ایک طرف قبلہ رُخ کھڑا ہوگیا اور وقت اور موقعے کے لحاظ سے حسبِ توفیق دُعا کی۔

● چہارشنبہ، ۲۵ محرم ۱۳۶۹ھ، ۱۶/نومبر ۱۹۴۹ء: ارادہ سفر کا ہے، مدینہ منورہ میں بیس دن ہوگئے، پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی ابھی اس سرزمین پر قدم رکھا ہے۔ در و دیوار سے انس و محبت کی خوشبو آتی ہے اور جب کبھی دُور سے سبز گنبد کی طرف نگاہ اُٹھ جاتی ہے، دل دھڑکنے لگتا ہے۔ بس میں ہوتا تو اس دَر کی جاروب کشی کرتا۔ خوش نصیب ہیں وہ جو اس دیارِ محبت و اُلفت میں رہتے ہیں اور اس کی قدر کرتے ہیں:

خاک طیبہ از دوعالم خوش تر است اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر است

[طیبہ کی خاک دونوں جہانوں سے بہتر ہے۔ اے پیارے شہر (مدینہ) تو کتنا اچھا ہے کہ یہاں محبوب ہے]

● جمعہ ۲۷ محرم ۱۳۶۹ھ، ۱۸/نومبر ۱۹۴۹ء: معلّم صاحب نے بھی نماز کے بعد فوراً تیار

ہوجانے کا حکم دیا، پر اس دیارِ محبت سے جانے کو جی نہیں چاہتا۔ سردی کا موسم سر پر نہ ہوتا تو غالباً دو چار مہینے کا عزم ضرور ہی کر لیتا، مگر آج نماز کے بعد جی کڑا کر کے رختِ سفر باندھنا ہے۔ اللہ تعالیٰ مدد فرمائے گا اور پھر اپنے محبوب کے محبوب شہر میں رہنے اور دن گزارنے کی توفیق اور موقع عنایت فرمائے۔ سفر کی تیاریاں ہیں مگر مدینۃ الرسول کا پُرمحبت ماحول اپنی طرف رہ رہ کر کھینچتا ہے۔ مدینہ کی بہار، سدا بہار ہے۔ آخر کیوں نہیں؟ ___ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب شہر، محبوب اور دل نواز نہ ہوتو پھر کون سی جگہ دل نواز اور روح پرور ہوگی؟ جانے کو جارہا ہوں، پر دیدۂ دل میں مدینہ ہی مدینہ بسا ہوا ہے:

مدینہ کی بہار کیا ، بہار در بہار ہے نظر نظر پہ چھا گئی ، دلوں میں یہ سما گئی

نمازِ جمعہ سے کچھ پہلے ہی حرم آیا۔ 'روضہ' تو کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ جمعہ کی تقریب سے نمازی بہت پہلے آ گئے تھے اور ہر طرف تلاوتِ قرآن کی ہلکی، مگر سامع نواز گونج سنائی دیتی تھی۔ عاجز نے ایک کنارے تحیۃ المسجد ادا کی۔ دل متاثر تھا۔ شاید اس حسین وجمیل اور مقدس مسجد میں آخری تحیہ ہو۔ پھر کشاں کشاں بارگاہِ نبوتؐ کی طرف گیا۔ اپنی جرأت پر نازاں اور بادشاہوں کے درباروں میں بے محابا جانے والا، یہاں ششدر اور مبہوت تھا۔ کیا کہے اور کیا عرض کرے؟ قدم حدودِ نبوت سے آگے بڑھنے نہ پائے، ادب و وقار کا دامن بھی ہاتھ میں رہے۔ ایک گنہگار و شرم سار اپنے آقا و مولا اور ساری انسانیت کے محسنِ اعظم (محمد سیّد الکونین من عرب و من عجم) کے حضور کھڑا کچھ کہنا چاہتا تھا مگر زبان اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللهِ. وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهٗ سے زیادہ نہ کہہ سکی۔ بڑی ہمت کی تو ماثور درُود پڑھ کر آگے بڑھ گیا اور شیخین رضی اللہ عنہما کو سلام کرتا ہوا ایک کنارے قبلہ رُخ ہو کر رب العالمین کی بارگاہ میں عرض مدعا کی: اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ هٰذَا آخِرَ عَهْدِيْ بِمَسْجِدِ نَبِيِّكَ ''اے اللہ، اس دیارِ شوق و محبت میں پھر آنے کی توفیق عطا ہو۔ اس پاک سرزمین میں بار بار آنا نصیب ہو!''

آخر وہ گھڑی آ گئی۔ عصر کے بہت بعد موٹر روانہ ہوئی۔ یوں تو دل دیر سے لرزاں اور تراساں تھا، مگر جب گاڑی حرکت میں آئی تو عجب حال ہوا۔ نگاہ سبز گنبد کی طرف جمی ہوئی اور زبان پر اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ۔ ایک حسرت کے ساتھ سارے ماحول پر نظر ڈال رہا تھا۔ اس شہرِ خوباں میں

بائیس دن ہو گئے، مگر ایک خواب سے زیادہ کچھ نہیں معلوم ہوا۔ جوں جوں موٹر آگے بڑھتی جاتی، پلٹ پلٹ کر نگاہیں ڈالتا، تا آنکہ وہ منظر نگاہوں سے اوجھل ہو گیا اور یہ گنہگار دیر تک ایک ذہول کے عالم میں اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْ ھٰذَا آخِرَ عَھْدِیْ اِلٰی بَیْتِ رَسُوْلِکَ کا ورد کرتا رہا۔

□ عبدالماجد دریابادیؒ

طور کی چوٹیاں جن کی تجلیاتِ جمال کی جلوہ گاہ بننے لگیں تو پاکوں کے پاک اور دلبروں کے دلبر موسیٰؑ کلیم تک تاب نہ لا سکے اور اللہ کی کتاب گواہ ہے کہ کچھ دیر کے لیے ہوش و حواس رخصت ہو گئے۔ معراج کی شب جب کسی کا جمال بے نقاب ہونے لگا، تو روایات میں آتا ہے کہ اس وقت وہ عبدِ کاملؐ جو فرشتوں سے بھی بڑھ کر مضبوط دل اور قوی ارادے کا پیدا کیا گیا تھا، اپنی تنہائی کو محسوس کرنے لگا، اور ضرورت ہوئی کہ رفیقِ غارؓ کا مثل سامنے لا کر آب و گل کے بنے ہوئے پیکرِ نورانی کی تسلی کا سامان کیا جائے ۔ یہ سرگزشت ان کی تھی، جو قدسیوں سے بڑھ کر پاک اور نُورانیوں سے بڑھ کر لطیف تھے۔ پھر وہ مشتِ خاک جو ہمہ کثافت اور ہمہ غلاظت ہو، جس کا ظاہر بھی گندا اور باطن بھی گندا، اگر رسولؐ کی مسجدِ اَقدس میں قدم رکھتے ہچکچا رہا ہو، اگر اس کا قدم رسولؐ کے روضۂ اَنور کی طرف بڑھتے ہوئے ہچکچا رہا ہو، اگر اس کی ہمت رحمت و جمال کی سب سے بڑی تجلی گاہ میں جواب دینے سے جواب دے رہی ہو، اگر اس کا دل اس وقت اپنی بے چارگی اور درماندگی کے احساس سے پانی پانی ہوا جا رہا ہو، تو اس پر حیرت کیوں کیجیے؟ خلافِ توقع کیوں سمجھیے؟ اور خدا کے لیے اس ناکارہ و آوارہ، بے چارہ و درماندہ کے اس حالِ زار کی ہنسی کیوں اُڑائیے؟

مغرب کی اذان کی آواز فضا میں گونجنے لگی۔ دھڑکتا ہوا دل کچھ تھما، اور ڈگمگاتے ہوئے پیر کسی قدر سنبھلے۔ ادھر اذان کی آواز ختم ہوئی، ادھر قدم دروازے سے باہر نکالے، مکان کے جس سے بابِ جبریل اگر چند فٹ نہیں تو چند گز پر ہے، اتنا فاصلہ بھی خدا معلوم کے منٹ میں طے ہوا۔ اس وقت نہ وقت کا احساس، نہ فاصلے کا ادراک، نہ زمان کی خبر، نہ مکان کی۔

کہتے ہیں کہ داخلہ بابِ جبریل ہی سے افضل ہے، یہ فضیلت بلاقصد خود بخود حاصل ہو گئی۔ حرم کے اندر قدم رکھتے ہوئے یہ دُعا پڑھی جاتی ہے:

اے اللہ! میرے لیے اپنی رحمت اور فضل کے دروازے کھول دے اور اپنے رسولؐ کی

زیارت مجھے نصیب کر جیسی کہ تُو نے اپنے اولیا کو نصیب کی، اور اے ارحم الراحمین، میری مغفرت کردے اور میرے اُوپر رحم فرما۔

لیکن پہلی مرتبہ قدم رکھتے وقت ہوش وحواس ہی کب درست تھے جو یہ دُعا یا کوئی اور دُعا قصد وارادہ کر کے پڑھی جاتی۔ ایک بے خبری اور نیم بے ہوشی کے عالم میں درود شریف کے الفاظ تو محض بلاقصد وارادہ زبان سے ادا ہوتے رہے، باقی بس۔ ہوش آیا تو دیکھا کہ نماز کو شروع ہوئے دو چار منٹ ہو چکے ہیں اور امام پہلی رکعت کی قرأت ختم کر کے رکوع میں جارہے ہیں۔ جھپٹ کر جماعت میں شرکت کی، اور جوں توں کر کے نماز ختم کی۔ یہ پہلی نماز وہاں ادا ہورہی ہے جہاں کی ایک ایک نماز پانچ پانچ سو اور ہزار ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ اللہ اللہ شان کریمی اور بندہ نوازی کے حوصلے دیکھنا! کس کو کیا کیا مرتبے عطا ہورہے ہیں:

اس مرتبے کو دیکھیے اور ہم کو دیکھیے!

وقت نمازِ مغرب کا تھا اور مغرب کی نماز سورج ڈوبنے پر پڑھی جاتی ہے۔ لیکن جس کی نصیبہ دری کا آفتاب عین اسی وقت طلوع ہو رہا ہو، جس کی سربلندیوں اور سرفرازیوں کی 'فجر' عین اسی وقت ہورہی ہو، کیا وہ بھی اس وقت کو مغرب ہی کا وقت کہتا اور سمجھتا رہے! لیجیے نماز ختم ہوگئی۔ فرض ختم ہوگئے اور روضۂ اطہر کے دروازے پر ہر طرف سے صلوٰۃ وسلام کی آوازیں آنے لگیں، جس پر اللہ خود درود بھیجے، اللہ کے فرشتے درود بھیجتے رہیں، اس کے آستانے پر بندوں کے صلوٰۃ وسلام کی کیا کمی ہوسکتی ہے؟

جسے دیکھیے مواجہ شریف [روضۂ رسولؐ کے سامنے کے حصّے] کی طرف کھنچا چلا آرہا ہے۔ اس وقت رُخ قبلہ کی جانب نہیں، پتھر سے تعمیر کیے ہوئے کعبہ کی جانب نہیں بلکہ اس کے دَرِاقدس کی جانب ہے، جو دلوں کا کعبہ اور روحوں کا قبلہ ہے۔ کسی کا نالہ جگر گداز، کسی کے لب پر آہ وفریاد، ہر شخص اپنے اپنے حال میں گرفتار، ہر متنفس اپنے اپنے کیف میں سرشار، گنہ گاروں اور خطاکاروں کی آج بن آئی ہے، آستانۂ شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم تک رسائی ہے:

سجدوں سے اور بڑھتی ہے رفعت جبیں کی

یہاں بھی نہ پائیں گے تو کہاں جائیں گے۔ آج بھی نہ گڑگڑائیں گے تو کدھر سر ٹکرائیں گے:

وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ جَآءُوْكَ...... (النساء ۴:۶۴)[اگر انھوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہوتا کہ جب یہ اپنے نفس پر ظلم کر بیٹھے تھے تو تمھارے پاس آجاتے......] وعدہ پورا ہونے کے لیے ہے۔ محض لفظ ہی لفظ نہیں ہیں۔

ادھر یہ سب کچھ ہو رہا ہے، رند و پارسا، فاسق و متقی، سبھی اس دُھن میں لگے ہوئے ہیں، ادھر ایک ننگِ اُمت حیران و ششدر، فرطِ مہیب وجلال سے گنگ و مضطر، حواس باختہ، چپ چاپ سب سے الگ کھڑا ہوا ہے۔ نہ زبان پر کوئی دُعا ہے اور نہ دل میں کوئی آرزو۔ سر سے پیر تک ایک عالمِ حیرت طاری، یاالٰہی! یہ خواب ہے یا بیداری؟ کہاں ایک مشت خاک، کہاں یہ عالم پاک، جل جلالہ جہاں ابوبکرؓ و علیؓ آتے ہوئے تھراتے ہوں، جہاں عمرؓ آواز سے بولتے ہوئے لرزتے ہوں، جہاں کی حضوری جبریلؑ کے لیے باعثِ فخر اور شرف کا سبب ہو، آج وہاں عبدالقادر دریا بادی کا فرزند عبدالماجد اپنے گندا دل اور گندا تر قلب کے ساتھ بے تکلف اور بلا جھجک کھڑا ہوا ہے۔ دماغ حیران، عقل دنگ، زبان گنگ، ناطقہ انگشت بدنداں۔ نہ زبان یاوری کرتی ہے، نہ لب کسی عرض معروض پر کھلتے ہیں۔ نہ دُعاؤں کے الفاظ یاد پڑتے ہیں، نہ کسی نعت گو کی نعت خیال میں آتی ہے۔ چلتے وقت دل میں کیا ولولے اور کیسے کیسے حوصلے تھے! لیکن اس وقت سارے منصوبے یک قلم غلط، سارے حوصلے اور ولولے یک لخت غائب۔ لے دے کے جو کچھ یاد پڑ رہا ہے وہ محض کلامِ مجید کی بعض سورتیں ہیں، یا پھر وہی عام و معروف درود شریف، اور زبان ہے کہ بے سوچے سمجھے اور بغیر غور و فکر کیے انھی الفاظ کو رَٹے ہوئے سبق کی طرح اضطراراً دُہرائے چلی جارہی ہے۔

□ **ماہرالقادریؒ**

اب ہم بالا خانہ سے اُتر کر نیچے آچکے ہیں۔ ہماری معلّمہ کا مزدور ہمارے ساتھ ہے۔ قصد ہے اور کہاں حاضری کا قصد ہے؟ وہاں کا جہاں کی تمنا اور آرزو نے بزمِ تصور کو سدا آباد رکھا ہے۔ خوشی کی کوئی انتہا نہیں۔ جسم کے روئیں روئیں سے مسرت کی خوشبو سی نکل رہی ہے۔ خوشی کے ساتھ ساتھ دل پر ایک دوسرا عالم بھی طاری ہے۔ یہ چہرہ جس پر گناہوں کی سیاہی پھری ہوئی ہے، کیا حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے مواجہ شریف میں لے جانے کے قابل ہے؟ اے آلودۂ گناہ، اے سرتا بقدم معصیت، اے غفلت شعار، ان کے حضور جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعد پاکی، تقدیس،

عصمت اور عظمت بس انھی کو سزاوار ہے، کس منہ سے روضۂ اقدس کے سامنے اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَارَسُوْلَ اللہِ کہے گا۔ اس زبان نے کیسی کیسی فحش باتیں بکی ہیں، ان لبوں کو کتنی بُری بُری باتوں کے لیے جنبش ہوئی ہے، ان آنکھوں نے کیسی کیسی قانون شکنیاں کی ہیں۔ اے نافرمان غلام، اپنے آقا کے دربار میں جانے کی جرأت کس برتے پر کررہا ہے؟

ان کی اطاعت سے کس کس طرح گریز کیا ہے، ان کے حکم کو کس کس عنوان سے توڑا ہے، ان کے اسوۂ حسنہ سے تیری زندگی کی کوئی دُور کی بھی نسبت رہی ہے!

کیسے ہی نافرمان اور بلاتوفیق سہی مگر نام لیوا تو انھی کے ہیں۔ کلمہ تو انھی کا پڑھتے ہیں۔ درود تو آپؐ ہی پر بھیجتے ہیں۔ ہم لاکھ کم ظرف اور نالائق سہی، لیکن جن کے ہم غلام ہیں وہ تو سب کچھ ہیں۔ جس نے خون کے پیاسے دشمنوں کو معافی دے دی، اس کی وسعت ظرف، مروت، عفو وکرم اور درگزر کی بھلا کوئی حد ونہایت ہے؟ مدینہ کی طرف اپنے کو متقی، نیکوکار اور پرہیزگار سمجھ کر ہم کب چلے تھے؟ اور اپنی پارسائی کا دعویٰ کسے ہے؟ یہاں تو بھاگے ہوئے غلاموں کی طرح حاضر ہوئے ہیں۔ ایک ایک آنسو کی بوند میں پشیمانی اور ندامت کے طوفان بند ہیں۔

اسی عالم خیال وتصور میں باب السلام سے داخل ہوئے اور مسجد نبویؐ میں جا پہنچے۔ یہ سرو قامت ستون، یہ مصفا جھاڑ فانوس، یہ نظر افروز نقش ونگار، ایک ایک چیز آنکھوں میں کھبی جارہی ہے۔ اور اس ظاہری چمک دمک سے بڑھ کر جمال ورحمت کی فراوانی، جیسے مسجد نبویؐ کے دَر و دیوار سے رحمت کی خنک شعاعیں نکل رہی ہیں:

داماں نگہ تنگ و گل حُسن تو بسیار　　　گل چین بہار توز داماں گلہ دارد

[نگاہ کا دامن تنگ ہے اور تیرے حُسن کے پھول بے شمار ہیں۔ تیری بہار سے پھول چننے والوں کو اپنے دامن کی تنگی کی شکایت ہے]

کی معنویت آج سمجھ میں آئی۔ تجلیوں کا وہ ہجوم کہ آنکھیں جلوے سمیٹتے سمیٹتے تھکی جارہی ہیں۔ یہاں کے اَنوار کا کیا پوچھنا، یہ آفتاب جہاں تاب بے چارہ اس جلوہ گاہ کے ذرّوں کا ادنیٰ غلام ہے۔ دائیں بائیں، اُوپر نیچے، اِدھر اُدھر روشنی ہی روشنی مگر لطف یہ کہ آنکھیں خیرہ نہیں ہوتیں۔ یہ آنکھوں نہیں خود یہاں کی تجلیوں کا کمال ہے۔

جب ہم مسجد نبویؐ میں حاضر ہوئے ہیں تو ظہر کی نماز تیار تھی۔ سنتوں کے بعد جماعت سے نماز ادا کی۔ کہاں؟ مسجد نبویؐ اور سجدہ گاہ مصطفوی میں! پیشانی کی اس سے بڑھ کر معراج اور کیا ہوگی؟

نماز کے بعد اب روضۂ اقدس کی طرف چلے، حاضری کی بے اندازہ مسرت کے ساتھ اپنی تہی دامنی اور بے مایگی کا احساس بھی ہے۔ یہی سبب ہے کہ درود کے لیے آواز بلند ہوتے ہوتے بھنچ بھی جاتی ہے۔ قدم کبھی تیز اُٹھتے ہیں اور کبھی آہستہ ہوجاتے ہیں۔ مواجہ شریف میں حاضر ہونے سے پہلے قمیص کے گریبان کے بٹن ٹھیک کیے، ٹوپی کو سنبھالا اور پھر:

وہ سامنے ہیں، نظامِ حواس برہم ہے نہ آرزو میں سکت ہے، نہ عشق میں دَم ہے

زائرین بلند آواز سے درود و سلام عرض کر رہے ہیں اور کتنے تو جالی مبارک کے بالکل قریب جا پہنچے ہیں، مگر اس کمینے غلام کے شوقِ بے پناہ کی یہ مجال کہاں؟ چند گز دُور ہی ستون کے قریب کھڑا ہوگیا۔ ہاتھ باندھے ہوئے مگر نماز کی ہیئت سے مختلف، آہستہ آہستہ صلوٰۃ و سلام عرض کر رہا ہوں کہ حضوؐر کی محفل کے آداب کا یہی تقاضا ہے اور یہ آداب خود قرآن نے سکھائے ہیں:

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللہِ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَاحَبِیْبَ اللہِ

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَاخَیْرَ خَلْقِ اللہِ

زبان سے یہ لفظ نکلے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے [اور یہ اشعار ڈھل گئے]:

پاک دل، پاک نفس، پاک نظر، کیا کہنا بعد مکہ کے مدینہ کا سفر کیا کہنا
جیسے جنّت کے دریچوں سے جھلکتی ہو بہار پہلی منزل ہی کے اَنوارِ سحر کیا کہنا
تپشِ شوق بھی ہے، گرمیِ موسم بھی ہے اور پھر اس پہ مرا سوزِ جگر کیا کہنا
راہ طیبہ کے ببولوں پہ مچلتی ہے نگاہ مرحبا! دیدۂ فردوس نگر کیا کہنا
خشک آنکھوں کو مبارک ہو یہ طغیانی شوق ہیں رواں اَشک بہ انداز دگر کیا کہنا
سنگریزے ہیں کہ جاگی ہوئی قسمت کے نجوم خارِ منزل ہیں کہ انگشت خضر کیا کہنا

ترتیب: س م خ

حج سے متعلق اسلامک ریسرچ اکیڈمی کی چند مطبوعات

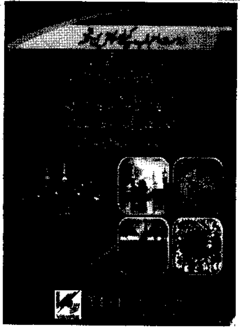

تربیتِ حج و عمرہ (DVD)

قیمت: ۸۰ روپے

چند کتب

ندائے ابراہیم	حبیب الرحمٰن	۱۵۰ روپے
پھر سوئے حرم لے چل	کاشف حفیظ صدیقی	۶۰ روپے
حج تیاری سے واپسی تک	خلیل احمد حامدی	۳۰ روپے

کھیل ہی کھیل میں ذہنی مشقوں کے ساتھ لفظ بنانا اور ذخیرہ الفاظ بڑھانا سیکھیے۔ آدم بن طاہر (مجوز)

ابھی طلب کیجیے! **اکیڈمی بک سینٹر**

ڈی۔۳۵، بلاک۔۵، فیڈرل بی ایریا، کراچی۔فون: ۳۶۸۰۹۲۰۱ (۲۱۔۹۲)

برقی پتا: irak.pk@gmail.com، ویب گاہ: www.irak.pk